

حکمتِ سید مودودیؒ

روزے کا اجتماعی پہلو

اخذ و اقتباس کو دہ - محمد یوسف صاحب - مرکز معارف اسلامی منصورہ - لاہور

نماز کی طرح روزہ بھی بجاٹے خود ایک انفرادی فعل ہے، لیکن جس طرح نماز کے ساتھ عبادت کی شرط لگا کر اس کو انفرادی سے اجتماعی فعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح روزے کو بھی ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تدبیر بس اتنی سی ہے کہ روزے رکھنے کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

روزے کا اجتماعی پہلو | اگر شارع کے پیش نظر محض افراد کی اخلاقی تربیت ہوتی تو اس کے لیے یہ حکم دینا کافی تھا کہ ہر مسلمان سال بھر کے دوران میں کبھی تیس روزے رکھ لیا کرے، اس طرح تمام مقاصد پورے ہو سکتے تھے۔ بلکہ ضبط نفس کی مشق کے لیے یہ صورت زیادہ مناسب تھی کیونکہ اجتماعی عمل سے روزہ رکھنے میں جو آسانی افراد کے لیے پیدا ہو جاتی ہے وہ انفرادی عمل کی صورت میں نہ ہوتی اور ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنے میں نسبتاً زیادہ شدت کے ساتھ اپنی قوتِ ارادی استعمال کرنی پڑتی۔ لیکن اسلام کا قانون جس حکیم نے بنایا ہے اس کی نگاہ میں افراد کی ایسی تیاری کسی کام کی نہیں ہے جس کے نتیجہ میں ایک جماعت صالحہ وجود میں نہ آئے۔ اس لیے اس نے روزے کو محض ایک انفرادی عمل بنانا پسند نہیں کیا بلکہ سال بھر میں ایک مہینہ روزے کے لیے مخصوص کر دیا تاکہ سب مسلمان بیک وقت روزہ رکھیں اور وہی نظام تربیت جس سے افراد تیار ہوں، ایک

صالح اجتماعی نظام بنانے میں بھی درگاہ ہو جائے۔

اس سکیم یا تدبیر سے روز سے کے اخلاقی و روحانی منافع میں جو اضافہ ہوا ہے اس کی طرف یہاں چند مختصر اشارات کیے جاتے ہیں۔

قتولی کی فضا | اجتماعی عمل کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ایک خاص قسم کی نفسیاتی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص انفرادی طور پر کسی ذہنی کیفیت کے تحت کوئی کام کر رہا ہو اور اس کے گرد و پیش دوسرے لوگوں میں نہ وہ ذہنی کیفیت ہو اور نہ وہ اس کام میں اس کے شریک ہوں، تو وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں بالکل اجنبی پائے گا۔ اس کی کیفیت ذہنی سرف اسی کی ذات تک محدود اور صرف اسی کی نفسی قوتوں پر منحصر رہے گی۔ اس کو نشوونما پانے کے لیے ماحول سے کوئی مدد نہ ملے گی، بلکہ ماحول کے مختلف اثرات اس کیفیت کو بڑھانے کے بجائے اٹا گٹھا دیں گے۔ لیکن اگر وہی کیفیت پورے ماحول پر طاری ہو، اگر تمام لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی ذہنیت کے ماتحت ایک ہی عمل کر رہے ہوں تو معاملہ برعکس ہو گا۔ اس وقت ایک ایسی اجتماعی فضا بن جائے گی جس میں پوری جماعت پر وہی ایک کیفیت چھاٹی ہوئی ہوگی۔ اور ہر فرد کی اندرونی کیفیت ماحول کی خارجی اعانت سے غذائے کربے محدود حساب بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک شخص اکیلی رہتا رہتا اور گرد و پیش سب لوگ کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو وہ کس قدر شرماٹے گا بے حیائی کی کتنی مقدار اس کو بہتہ ہونے کے لیے درکار ہوگی اور پھر بھی ماحول کے مختلف اثرات سے اس کی شدید بے حیائی بھی کس طرح بار بار شکست کھائے گی، لیکن جہاں ایک موسم میں سب ننگے ہوں وہی شرم بے چارہ کی کوپکنے کا موقع بھی نہ ملے گا اور ہر شخص کی بے شرمی دوسروں کی بے شرمی سے مدد یا کرافزوں و رافزوں ہوتی چلی جائے گی۔ ایک ایک سپاہی کا الگ الگ جنگ کرنا اور مہاتک جنگ برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے، مگر جہاں فوج کی فوج ایک ساتھ مارچ کر رہی ہو وہاں جذبات شہامت و حماست کا ایک طوفان اُٹھ آتا ہے جس میں ہر سپاہی مستانہ وار بہتا چلا جاتا ہے۔ نیکی ہو یا بدی دونوں کی ترقی میں اجتماعی نفسیت کو غیر معمولی دخل حاصل ہے۔ جماعت مل کر بدی کر رہی ہو تو فحش، بے حیائی اور بدکاری کے جذبات اُبل پڑتے ہیں، اور جماعت مل کر نیکی کر رہی ہو تو پاکیزہ خیالات اور نیک جذبات

کا سیلاب آجاتا ہے جس میں بد بھی نیک بن جاتے ہیں خواہ حقوڑی دیر کے لیے ہی سہی۔
اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارح نے یہی کام لیا ہے جس
طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہرغلہ اپنا موسم آنے پر خوب بھلتا پھرتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر
چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا
موسم ہے جس میں بُرائیاں بدتی ہیں، نیکیاں بھلتی ہیں۔ پوری پوری آبادیوں پر خوفِ خدا اور
عبادتِ خیر کی زوج چھا جاتی ہے اور ہر طرف پورہیزگاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔
اس زمانہ میں گناہ کرتے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے۔ ہر شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش
کرتا ہے اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے۔ ہر ایک کے
دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے، کسی تنگ
کو کپڑا پہنلائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے، کہیں کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصہ
لے، کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں۔
ظلم سے ہاتھ رُک جاتے ہیں، بُرائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔
توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہو جاتی ہیں۔ نیک بہت نیک ہو جاتے ہیں اور
بدوں کی بدی اگر نیکی میں تبدیل نہیں ہوتی تب بھی اس جلاب سے اس کا اچھا خاصا تنقیض و
ہو جاتا ہے۔ سفر غنی اس زبردست حکیمانہ تدبیر سے شامع نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ
ہر سال ایک مہینہ کے لیے پوری اسلام آبادی کی صفائی ہوتی رہے، اس کو اور نہ ہالی
کیا جاتا رہے، اسی کی نایاب نشی جائے۔ اور اس میں عموماً حیثیت سے روحِ اسلامی کو از سر نو
زندہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا دخل رمضان فتحت	جب رمضان آتا ہے تو جنت کے
ابواب الجنة وغلقت	دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم
ابواب جہنم و سلسلت	کے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین بازو
الشیطن -	دیئے جاتے ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

جب رمضان کی پہلی تاریخ آتی ہے تو

شیاطین اور سرکش جن باندھ دیئے جاتے ہیں

دوزخ کی طرف جانے کے دروازے بند کر دیئے جاتے

ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور

جنت کی طرف جانے والے دروازے کھول دیئے

جاتے ہیں ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا

اُس وقت پکارنے والا پکارتا ہے اے بھلائی کے

طالب آگے بڑھو اور اے بُرائی کے خواہشمند پھر جا۔

اذا كان اول ليلة من

شهر رمضان صفدت الشياطين

ومردة الجن وغلقت ابواب

النار فلم يفتح منها باب وفتحت

البواب الجنة فلم يخلق منها

باب وينادي مناد يا باغي

الخنير اقبل يا باغي الش

افصر۔

سکتے کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے

ہیں۔ اگر آئینہ پر کچھ دھندلاہٹ سی پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے۔ ورنہ اس کی زندگی

کی آخری اُمید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا تمہیں امتحان لینا ہو

تو اُسے رمضان کے زمانہ میں دیکھو۔ اگر اس مہینہ میں اس کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ خوفِ خدا،

کچھ نیکی کے جذبے کا اُبھار نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینہ میں بھی

نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں، اور اسلامی حسِ مردہ نظر آئے تو

انا لله وانا اليه راجعون پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس "مسلمان" کے لیے

مقرر نہیں ہے۔

جماعتی احساس | اجتماعی عمل کا دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں فطری اور

اصلی وحدت پیدا ہوتی ہے۔ نسل یا زبان یا مرزبوم یا معاشی اعراض کا اشتراک فطری قومیت

پیدا نہیں کرتا۔ آدمی کا دل صرف اُسی سے ملتا ہے جو خیالات اور عمل میں اس سے ملتا ہو۔ یہ

اصلی رشتہ ہے جو دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے باندھتا ہے اور جس کے سامنے خیالات

اور عمل میں اتفاق نہ ہو اُس سے کبھی دل نہیں ملتا، خواہ دونوں ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا

ہوئے ہوں۔ جب کوئی شخص اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو ذہنیت اور عمل میں اپنے سے مختلف

پاتا ہے تو صریح طور پر اپنے آپ کو ان کے درمیان اجنبی محسوس کرتا ہے۔ مگر جب بہت

لوگ مل کر ایک ہی ذہنی کیفیت کے ساتھ ایک ہی عمل کرتے ہیں تو ان میں باہم یگانگت، رفاقت، یک جہتی اور برادری کے گہرے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں، اُن کے درمیان کوئی اجنبیت باقی نہیں رہتی، قلب و روح کا اشتراک اور عمل کا اتفاق ان کو آپس میں جوڑ کر ایک کر دیتا ہے۔

خواہ نیکی ہو یا بدی، دونوں صورتوں میں اجتماعی نفسیات اسی طرح کام کرتے ہیں۔ چوروں میں چوری کا اشتراک اور شرابیوں میں شراب نوشی کا اشتراک بھی یوں ہی برادری پیدا کرتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ بدی کے راستے میں افراد کی نفسانیت کا دخل ہوتا ہے جس کا فطری میلان فرد فرد کو بچاڑ کر الگ کر دینے کی طرف ہے، اس لیے ایسے راستوں میں برادری کبھی بے آلائش اور مستحکم نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے نیکی کے راستے میں نفسانیت دبتی ہے، انسانی روح کو حقیقی تسکین ملتی ہے، اور پاک جذبات کے ساتھ آدمی اس راستے پر چلتا ہے، اس لیے نیک خیالات اور نیک عمل کا اشتراک وہ بہترین رشتہ اخوت پیدا کرتا ہے جس سے زیادہ مستحکم اجتماعی رابطہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

نماز باجماعت کی طرح رمضان کے اجتماعی روزے مسلمانوں میں اسی نوع کی برادری پیدا کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کا مل کر ایک خدا کی رضا چاہنا، اسی کی رضا کے لیے بھوک پیاس کی تکلیف اٹھانا، اسی کے خوف سے بُرائیوں کو چھوڑنا اور ایک دوسرے کو بُرائیوں سے روکنا، اسی کی محبت میں بھلائیوں کی طرف دوڑنا اور ایک دوسرے کو بھلائی پر اکسانا، یہ چیز ان میں بہترین قسم کی وحدت، صحیح ترین فطری قومیت، پاکیزہ ترین اجتماعی ذہنیت، اور ایسی ہمدردی و رفاقت پیدا کرتی ہے جو ہر کھوٹ سے خالی ہے۔

امداد باہمی کی روح | اس اجتماعی عبادت کا تیسرا زبردست کام یہ ہے کہ یہ عارضی طور پر تمام لوگوں کو ایک سطح پر لے آتی ہے۔ اگرچہ امیر امیر ہی رہتا ہے اور غریب غریب، لیکن روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پہ بھی وہی کیفیت طاری کر دیتا ہے جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گذرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے، اور خدا کی رضا چاہنے کا جذبہ اُسے غریب بھائیوں کی مدد کرنے پر اکساتا ہے۔ بظاہر یہ ایک بڑی چھوٹی

بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کے اخلاقی و تمدنی فوائد بے شمار ہیں۔۔۔۔۔ جس قوم کے امیروں میں غریبوں کی تکالیف کا احساس اور ان کی عملی ہمدردی کا جذبہ ہو، اور جہاں صرف اداروں ہی کو غیرت نہ دی جاتی ہو بلکہ فرداً فرداً بھی حاجت مندوں کو تلاش کر کے مدد پہنچائی جاتی ہو، وہاں صرف یہ کہ قوم کے کمزور حصے تباہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اجتماعی فلاح قائم رہتی ہے، بلکہ غربت اور امارت میں حسد کے بجائے محبت کا، شکر گزاری اور احسان مندی کا تعلق قائم ہوتا ہے اور وہ طبقاتی جنگ بھی ٹوٹنا نہیں ہو سکتی جو ان قوموں میں برپا ہوتی ہے جن کے مالدار لوگ جانتے ہی نہیں کہ فقر و فاقہ کیا چیز ہوتی ہے، جو قحط کے زمانہ میں تمہیں سے پوچھتے ہیں کہ لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں، انہیں روٹی نہیں ملتی تو یہ کیا کیوں نہیں کھاتے؟

یہ اسلام کا دوسرا عملی رکن ہے جس کے ذریعے سے اسلام اپنے افراد کو فرداً فرداً ایک خاص قسم کی اخلاقی تربیت دے کر تیار کرتا ہے۔ اور پھر انہیں جوڑ کر ایک خاص طرز کی جماعت بناتا ہے۔ اسلام کا آخری مقصد جس مدنییت صالحہ اور حکومت الہیہ کو وجود میں لانا ہے، اس کے اجزائے ترکیبی اس طرح نماز اور روزے کے ذریعے سے پھیل بنا کر تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے سپاہی اور جنرل، اس کے اہل کار، عہدہ دار اور وزراء، اس کے معلم اور پروفیسر، اس کے قاضی اور مفتی، اس کے تاجر، مزدور، کارخانہ دار اور کسان، اس کے رائے دہندے، ناقد اور شہری، سب اس تربیت کے بعد کہیں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے اجتماع سے وہ صالح و تمدنی سیاسی نظام بن سکے جسے "خلافت علیٰ منہاج النبوة" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ محض ان گھڑ افراد کو لے کر خلافت الہیہ قائم کرنے کے لیے دوڑ جانا ایسی خام خیالی و خام کاری ہے، جس سے اللہ اور اس کا رسول بدی ہیں۔

(ترجمان القرآن۔ جولائی ۱۹۴۷ء)